Regd. No. A [illegible]
Telephone No. [illegible]
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ [illegible]
ایک پرچہ [illegible]
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر:- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڑھ - ۱۵ جولائی ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۲۷

خطبۂ صدارت اُردو کانفرنس

از

کرنل بشیر حسین صاحب زیدی صدرِ انجمن

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

دوستو اور ساتھیو!

اُردو کا حق اسے اسی وقت ملے گا جب اُردو والے اپنی زبان کی ہندوستانیت، عوام پسندی، تہذیبی قدر و قیمت، اخلاقی اقدار اس کے چلن اور رواج کو اور واضح کریں گے، جب ہندوستان کے اداروں میں ان کی شرکت اور گہری ہوگی، جب ان کا اعتماد اپنی جمہوریت پر، اپنی قومی زندگی کے آئندہ نقشے پر اور مستحکم ہوگا۔ حکومت سے مطالبہ کرنا ہمارا جمہوری حق ہے اور ہمیں نہایت بے خوفی اور اعتماد سے اپنے مطالبات پیش کرنا چاہئیں۔ ہمیں اس وقت تک نہ خود چین سے بیٹھنا چاہئے نہ دوسروں کو چین لینے دینا چاہئے جب تک ہمارے سارے مطالبات منظور نہ ہو جائیں۔ مگر حکومت سے بہت کچھ منوا لینا بھی سب کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے ۱۹۵۳ء میں لکھنؤ کے اردو کنونشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"اگر ہمارا مطالبہ پوری طرح مان لیا جائے تب بھی ہمارا کام ختم نہ ہوگا۔ زبان کی ترقی کے راستے بس وہی نہیں ہیں جن پر حکومت کی مدد سے چلا جا سکے۔ میں اس خیال کا آدمی ہوں کہ اگر یہ سب راستے بند کر دیئے جائیں تو ہماری کوشش سے اتر پردیش میں اردو زندہ ہی نہیں رہ سکتی، ترقی بھی کر سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب راستے کھل جائیں اور ہماری پست ہمتی سے اردو کی ترقی ہی ختم نہ ہو جائے بلکہ اردو ختم ہو جائے۔ زبان کا مستقبل اس کے بولنے والوں، اس کے لکھنے والوں، اس کے شاعروں، اس کے ادیبوں، اس کے معلموں کے ہاتھ میں ہے اور ان کی سعی کے راستوں کی درستی پر۔ اگر یہ لوگ زبان اور اس کے ادب کو چند خواص کا اجارہ دار بنائیں گے تو اس جمہوری دور میں زبان آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ زبان کی ترقی کے اہم کاموں میں زبان کی ترویج ہے۔ اس ملک میں جہاں پڑھے لکھوں کی تعداد بہت کم ہے، ترویج کے کام میں بڑی گنجائش ہے۔ آپ کو جب اپنی زبان کے مستقبل سے اتنی دلچسپی ہے تو میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کی ترقی کی راہوں پر بھی غور کریں اور ان پر چلنے کی تدبیریں نکالیں۔ یہ اردو کا کام ہی نہیں ہندوستان کا کام ہے۔"

حکومت جو قوانین بناتی ہے ان پر کس حد تک عمل ہوتا ہے

خواب اور حقیقت، خیال اور عمل، تصور اور تصویر میں کتنا فرق ہے۔ لازمی جبری تعلیم ہمارے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ کتنی ریاستوں نے اس کا انتظام کیا ہے۔ ہماری منزل مقصود سوشلزم ہے، ہم اس طرف کس رفتار سے جا رہے ہیں۔ ذات پات کا فرق، چھوت چھات، اونچ نیچ کا امتیاز قومی جرم ہے۔ حکومتوں کے قانون کچھ بھی ہوں لیکن حکومتوں کا عمل سماج کی صحت ذہنی کے مطابق ہوتا ہے۔ ہمارا بڑا کام اپنے سماج میں اردو دوستی کی فضا پیدا کرنا ہے۔ اس کے لئے سب سے اہم خود ہمارا عمل ہے۔ سماج کے لئے عمل اور اپنے لئے عمل۔ سماجی جبری تعلیم میں حصہ لینے کے علاوہ کیا ہم اردو کی ترویج و اشاعت کا مقدس کام خود اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ کیا ہماری ہر شاخ اپنے حلقے میں ایک ہزار آدمیوں کو ایک سال میں اردو نہیں پڑھا سکتی۔ اس سلسلے میں مجھے جنوبی ہند میں ہندی کے پرچار کا خاص طور سے ذکر کرنا ہے۔ ایک صاحب جو اس وقت وہاں ہندی کے بہت بڑے حامی ہیں اپنا تجربہ بیان کرتے تھے کہ شروع شروع میں جب ہندی کے ایک معلم نے ان سے درخواست کی کہ وہ خالی وقت میں تھوڑی سی ہندی سیکھ لیں تو انھوں نے اُسے جھڑک دیا اور کہا کہ مجھے فرصت نہیں ہے مگر وہ دھن کا پکا

ہمت نہ ہارا اور کچھ دن بعد پھر نازل ہوگیا۔ انھوں نے اسے پھر ٹال دیا۔ مگر وہ پھر آن موجود ہوا اور پوچھنے لگا کہ آپ کس وقت تھوڑی سی فرصت ہندی پڑھنے کیلئے نکال سکتے ہیں۔ انھوں نے جھلا کر اسے دس بجے رات کو بلایا اور وہ بھی ایک بلا کی طرح اُسی وقت نازل ہوگیا۔ اس کا آنا تھا کہ ان حضرت کی کایا پلٹ گئی اور نہ صرف انھوں نے خود ہندی سیکھی بلکہ مدراس میں ہندی کے سب سے بڑے حامی بن گئے۔

ہمارے ملک میں علم کی پیاس بہت ہے اور ابھی تک بدقسمتی سے خواندگی کی رفتار بہت سست ہے۔ کیا ہم اس رفتار کو اپنی کوشش سے کچھ تیز نہیں کرسکتے؟ ایسے لوگ بھی خاصی تعداد میں ہیں جو اردو سمجھتے ہیں، اس کے ادب کی قدر کرتے ہیں۔ مگر اردو رسم خط سے واقف نہیں۔ کیا ہم انھیں یہ رسم خط نہیں سکھا سکتے۔ ہاں اس کے لئے ہمیں اپنے رسم خط میں کچھ اصلاح کرنی پڑے گی اور طریقہ تعلیم کو زیادہ آسان اور سائنٹفک بنانا پڑے گا۔

ہماری شاخوں کا کام صرف ادبی جلسے کرنا، مشاعرے کرنا حکومت کے رویے کے خلاف احتجاج کرنا ہی نہیں ہے۔ ان کا کام یہ بھی ہے کہ مقامی وسائل کے مطابق بچوں اور بالغوں کے لئے اسکول کھولیں، چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کریں جن میں لوگوں کی تفریح اور دلچسپی کا سامان ہو اور ان کے لئے اردو پڑھنے کا بھی انتظام ہو۔ کام خشک اور غیر دلچسپ ہے اور جلد اس میں حیرت انگیز نتائج بھی نہیں نکل سکتے۔ مگر کرنے کا کام ہے اور کسی نہ کسی طرح کرنا ہی ہے اس سے، علاوہ اور فائدوں کے ہماری ذہنی تربیت بھی ہوگی اپنے پر اعتماد بھی بڑھے گا۔ عمل کی قوت جلا پائے گی اور دوسروں پر بھی اثر ہوگا۔

اردو کی ترقی کے لئے سب سے ضروری کام میں اپنے طور پر اردو کی تعلیم کا انتظام سمجھتا ہوں۔ حکومت کا اچھا انتظام بھی ہمارے ناقص انتظام سے بہتر نہ ہوگا۔ ہمارا کام حکومت کے لئے نمونہ اور مثال ہوگا۔ ہمارے قاعدے اور درسی کتابیں، اس کے منظور شدہ قاعدوں اور درسی کتابوں کے لئے معیار کا کام دیں گے۔ اس کام میں پہل ہمیں کرنی چاہئے۔ دوسرے ہماری تقلید کریں گے۔

جہاں تک ہندوستان میں اردو کی حیثیت اور اہمیت کو سرکاری طور پر منوانے کا سوال ہے۔ ہمیں اس حقیقت کا نہایت اعتماد کے ساتھ اعلان کرنا چاہیے کہ اردو محض ایک علاقائی زبان نہیں ہے۔ یہ ایک کل ہند زبان ہے۔ اس کے بولنے اور سمجھنے والے سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جتنی ریاستوں میں اس کے بولنے والے بڑی تعداد میں ہیں، ان میں علاوہ علاقائی زبان کے اردو کو بھی سرکاری طور پر تسلیم کرنا چاہیے۔ مشرقی پنجاب دہلی، اتر پردیش، بہار اور آندھرا میں اردو کو بھی دوسری زبان کا حق ملنا چاہیے۔ اس کے علاوہ راجستھان، مدھیہ پردیش، بمبئی، مدراس اور میسور میں، جہاں ایک معقول تعداد اردو میں تعلیم کا مطالبہ کرے، یہ مطالبہ پورا کرنا چاہیے۔ اردو ہندوستان کی ان زبانوں میں سے ہے جنھیں دستور میں قومی زبان تسلیم کیا گیا ہے جواہر لال نہرو نے بار بار کہا ہے کہ یہ ہندوستان کی قومی زبانوں میں سے ایک ہے۔ ہندی اور انگریزی کے بعد یہ ملک میں سب سے زیادہ سمجھی جاتی ہے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق بھی اس کے بولنے والے ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ہیں۔ حالانکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ صحیح تعداد ڈھائی کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ لیکن سرکاری طور پر تسلیم شدہ تعداد بھی بہت بڑی تعداد ہے جو کشمیر سے راس کماری تک اور جودھ پور سے کلکتے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اردو بولنے والے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لسانی اقلیت زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مگر اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے۔ ہندوؤں اور سکھوں اور عیسائیوں کی بھی زبان ہے۔ یہ ہمیشہ ایک مشترک تہذیب کی نشانی، ایک مشترک خواب کی تعبیر، ایک ناقابل تقسیم اور مقدس وراثت کی طرح ہندوستان کی ایک قومی زبان کہلائے گی۔ اب یہ ہندوؤں مسلمانوں اور سکھوں کی توفیق کی بات ہے کہ وہ اس مشترک ورثے کی کس حد تک حفاظت کرتے ہیں۔

ہم نے علاقائی زبان کی تحریک چلائی تھی تو یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ اردو کا مخصوص علاقہ کون سا ہے۔ ظاہر ہے اردو کا گھر دہلی اور اتر پردیش میں ہے اور اس کا حلقہ سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ مگر کسی خطے میں اس کے بولنے والے اکثریت میں نہیں ہیں۔ کوئی خطہ صرف اردو کا نہیں ہے جو ہندی کا علاقہ ہے

(باقی ص ۹ پر دیکھیے)

جنرل سکریٹری کی رپورٹ

انجمن کی اردو کانفرنس منعقدہ ۳۰ جولائی ۵۹ء کو خطبہ صدارت کے بعد پروفیسر آل احمد سرور صاحب نے جلسے میں یہ رپورٹ سنائی۔

آزادی کے بعد انجمن کی یہ پہلی کانفرنس ہے۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ کانفرنس اردو دنیا کی توقعات کے مطابق اور انجمن کی وسیع تنظیم اور عوام کے جذبات کے شایان شان ہوتی، لیکن اپنے محدود وسائل کے پیش نظر اور اہم اور غور طلب مسائل کو دیکھتے ہوئے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ صرف شاخوں کے نمائندوں، ممتاز ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور ناشروں کو ہی اس اجتماع کے لئے دعوت نامے بھیجے جائیں تاکہ ہم اپنے لسانی اور ادبی کاموں کا جائزہ لے سکیں اور آئندہ اقدامات کا فیصلہ کر سکیں۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اگلے دسمبر میں کسی مرکزی مقام مثلاً دہلی میں ایک بڑی کانفرنس بلائیں، جس میں ہم ملک اور قوم کے سامنے اپنی تجاویز اور اپنا عملی پروگرام رکھ سکیں۔ ہمیں موجودہ جمود کو توڑنا ہے اور اپنے عمل سے فضا کو ہموار کرنا ہے۔ ہم اس وقت مظاہروں پر اپنی قوت ضائع نہیں کرنا چاہتے اور ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ اچھا کام خود سب سے اچھا مظاہرہ ہوتا ہے۔

یہ رپورٹ ایک طرح سے ذاتی رپورٹ ہے۔ اس میں انجمن کے کام کا جائزہ ذاتی حیثیت سے لیا گیا ہے۔ کانفرنس کے بعد یہ مجلس عاملہ کے سامنے پیش کی جائے گی اور اس کی منظوری کے بعد شائع ہوگی۔

اس کانفرنس کی ایک اور مخصوص نوعیت کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس کی کوئی استقبالیہ کمیٹی نہیں بنائی گئی ہے۔ انجمن کے دفتر نے یونیورسٹی کے اساتذہ کے تعاون سے اس کا انتظام کیا ہے۔ انجمن کے صدر اس کانفرنس کے صدر ہیں۔ اس کے لئے لیڈروں سے پیامات نہیں مانگے گئے۔ نہ اس کے لئے کوئی چندہ اکٹھا کیا گیا ہے۔ ہم پروفیسر محمد مجیب، شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ دہلی کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے اس کا افتتاح کرنا منظور کیا۔ صدر انجمن کی عنایت سے یونیورسٹی کے ایک ہال میں مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام کیا گیا ہے۔ موسم گرم ہے اور ہم مہمانوں کے لئے زیادہ سہولتیں فراہم نہیں کر سکے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے دوست اور رفیق اس کا خیال نہ کریں گے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے ارشاد کے مطابق میں نے قاضی عبدالغفار کے انتقال کے بعد انجمن کے سکریٹری کا کام ۱۲ جنوری ۵۶ء سے سنبھالا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پہلے ہی انجمن کی صدارت سے استعفا دے چکے تھے اور انھوں نے جناب عبدالمجید خواجہ صاحب کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ خواجہ صاحب نے پہلی فروری ۵۶ء سے صدارت کا کام شروع کیا اور باوجود اپنی علالت اور مصروفیات کے نہایت ہمدردی اور دل سوزی کے ساتھ انجمن کے کاموں کی نگرانی کرتے رہے۔ انھوں نے خرابی صحت کی وجہ سے سال بھر کے بعد اس کام سے معذوری ظاہر کی اور جناب بشیر حسین صاحب زیدی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا نام مجلس عام میں صدارت کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ ۱۰ فروری ۱۹۵۷ء سے زیدی صاحب انجمن کے صدر مقرر ہوئے اور اس تھوڑے عرصے ہی میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود انھوں نے ہمارے کام کے ہر شعبے میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی کی ہے۔ میں انجمن کی طرف سے موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

قاضی عبدالغفار مرحوم، اردو کے بہت بڑے ادیب اور انشا پرداز تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی قیادت میں نہایت نازک دور میں انجمن کی نئے سرے سے تنظیم کی، دفتر اور کتب خانے کو دہلی سے علی گڑھ منتقل کیا، انجمن کا نیا دستور بنایا، ہماری زبان اور اردو ادب کا اجرا کیا، مطبوعات کا سلسلہ شروع کیا، دورے کئے، پرانی شاخوں کو زندہ کیا اور نئی شاخیں قائم کیں۔ انھوں نے اگست ۱۹۴۹ء سے کام شروع کیا تھا، اور اگر ان کی صحت خراب نہ ہوتی تو وہ یقیناً بہت کچھ کرتے۔ لیکن مسلسل علالت کے باوجود حتی المقدور وہ انجمن کا کام کرتے رہے اور شاخوں کے اہم جلسوں میں شریک ہوتے رہے۔ ۱۱ جنوری ۵۶ء کو بالآخر موت کے ہاتھوں نے انھیں ہم سے چھین لیا۔

انجمن کے سکریٹری علامہ شبلی، نواب عماد الملک، مولوی عزیز مرزا، ڈاکٹر عبدالحق اور قاضی عبدالغفار جیسے مقتدر حضرات رہے ہیں۔ مجھے اس بار کو اٹھانے میں پس و پیش تھا، مگر ڈاکٹر ذاکر حسین کے ارشاد اور اردو کے عشق نے مجبور کر دیا ——— مجھے شہرت، منصب یا اقتدار کی کوئی خواہش نہیں ہے لیکن یہ احساس ضرور ہے کہ اردو کی خدمت ایک فضیلت بھی ہے اور ایک عبادت بھی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس

کام کیا مجھے اردو کے تمام ادیبوں، کارکنوں اور اردو دوستوں کا تعاون حاصل ہے اگر میں انجمن کے ذریعے سے اردو زبان و ادب کی کوئی بھی خدمت کرسکا تو اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا اور اگر مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں اسے کماحقہ، انجام نہیں دے سکتا ہوں تو آپ سب حضرات سے معافی چاہوں گا اور کسی بہتر آدمی کے لئے جگہ خالی کردوں گا۔

قاضی صاحب مرحوم کی طویل علالت کی وجہ سے انجمن کے دفتر کی حالت اچھی نہ تھی مجھے دفتر کا انتظام درست کرنے ہماری زبان اور اردو ادب کی اشاعت کو وقت پر لانے مطبوعات کے پروگرام کو تیز کرنے اور شاخوں سے ربط قائم کرنے میں خاصا وقت لگا۔ جب تک گھر کا انتظام درست نہ ہو باہر توجہ کرنا بے معنی ہے مگر اب مجھے اطمینان ہے کہ نئے نائب معتمد محمد حفیظ الدین صاحب کی انتظامی صلاحیت اور تجربے کی وجہ سے انجمن کا دفتر شاخوں کے کام کی نگرانی کرسکتا ہے اور اب ہم لسانی اور ادبی محاذ پر اپنی مہم پھر سے شروع کرسکتے ہیں۔

تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصے میں انجمن کی مجلس کے ۴ جلسے، مجلس عاملہ کے چار جلسے، مالی کمیٹی کے ۳ جلسے اور ادبی کمیٹی کے ۴ جلسے ہو چکے ہیں۔ ۵۔ جولائی کو یعنی کانفرنس کے فوراً بعد پھر انجمن کی مختلف کمیٹیوں کے جلسے ہوں گے جن میں کانفرنس کے فیصلوں پر غور کیا جائے گا۔

بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر دفتر کے کارکنوں میں حسب ذیل اضافہ کیا گیا ہے۔

محمد حفیظ الدین	نائب معتمد
اطہر پرویز	مہتمم مطبوعات
مستقیم احمد	ٹائپسٹ کلرک

نمائندہ خصوصی کا عہدہ ختم کردیا گیا ہے۔

۱۹۵۶ء میں انجمن کی آمدنی خاصی کم ہو گئی تھی مطبوعات کی فروخت سے بہت کم روپیہ وصول ہوئے تھے، حکومت حیدرآباد کی امداد بھی جو ۲۰ ہزار سے گھٹ کر صرف تین ہزار روپیہ رہ گئی تھی بند ہونے والی تھی۔ ایجنسیوں کا حساب صاف نہیں تھا ہماری زبان اور اردو ادب بڑے خسارے پر چل رہے تھے واقعی آمدنی کے مقابلے میں خرچ بہت زیادہ تھا۔ میں نے ان سب پہلوؤں پر توجہ کی اور مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہے کہ ہر مد میں ہم آمدنی بڑھانے میں کامیاب ہوئے ہیں حیدرآباد کی حکومت کو بار بار لکھنے پر امسال بھی تین ہزار کی رقم مل گئی ہے اور میری کوشش یہ ہے کہ یہ امداد جاری رہے۔

مطبوعات کی مد میں دس ہزار سے زیادہ آمدنی ہوئی یہ آمدنی آزادی کے بعد اب تک سب سے زیادہ ہے۔ ایجنسیوں کے حساب صاف ہو گئے ہیں ان کے ذمے جو رقم ہے وہ رفتہ رفتہ وصول ہو رہی ہے۔ ہماری زبان کے خریدار پہلے سے دگنے ہیں۔ اور اردو ادب کے خریداروں میں بھی قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔ امسال یہ کوشش کی گئی تھی کہ خرچ واقعی آمدنی سے بڑھنے نہ پائے۔ چنانچہ ہم نے تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ اس سال بچایا ہے۔ ۱۹۵۷-۵۸ء کے بجٹ میں آمدنی اسی ہزار یعنی تقریباً ڈیوڑھی ہو جانے کی امید ہے مگر خرچ پر ہم نے پابندی لگا دی ہے کہ ۶۰ ہزار سے بڑھنے نہ پائے۔ انجمن نے جنوری ۱۹۵۶ء سے اب تک جو کتابیں شائع کی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ نقد غالب ،، مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد
۲۔ یادگار حالی (نیا اڈیشن) صالحہ عابد حسین
۳۔ انتخاب کلام میر (نیا اڈیشن) ڈاکٹر عبدالحق
۴۔ ذکر حافظ سجاد ظہیر
۵۔ انتخاب جدید مرتبہ آل احمد سرور و عزیز احمد (نیا اڈیشن)
۶۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ڈاکٹر عبدالحق (نیا اڈیشن)
۷۔ اردو صرف و نحو " "
۸۔ زنداں نامہ فیض احمد فیض
۹۔ انتخاب کلام عرش ملسیانی
۱۰۔ " " مجاز
۱۱۔ " " اختر شیرانی
۱۲۔ " " احمد ندیم قاسمی
۱۳۔ " " فیض
۱۴۔ " " شاد عارفی
۱۵۔ غزل " مجروح سلطانپوری (نیا اڈیشن)
۱۶۔ " " اختر انصاری
۱۷۔ " " سکندر علی وجد "
۱۸۔ ترقی پسند ادب (نیا اڈیشن) سردار جعفری

جو کتابیں چھپ گئی ہیں اور اس ہفتے میں پریس سے موصول ہو جائیں گی وہ یہ ہیں۔

۱۔ تذکرہ شعرائے جے پور
۲۔ تنقیدیں۔ خورشید الاسلام
۳۔ جاں نثار اختر (انتخاب کلام)
۴۔ جگن ناتھ آزاد "

جو کتابیں زیر طبع ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ ہندوستانی اخبار نویسی عتیق احمد
۲۔ چند ہم عصر نیا اڈیشن عبدالحق
۳۔ آئینۂ حقیقت پنڈت حبیب الرحمن شاستری
۴۔ مقالات حالی حصہ اول
۵۔ دیوان غالب ۔ مرتبہ امتیاز علی عرشی
۶۔ انتخاب کلام جگر بریلوی، جذبی، اختر الایمان، فراق، اثر، ملا، روش، جگر مرادآبادی، مخدوم،

جو کتابیں اشاعت کے لئے منظور ہو چکی ہیں اور سال کے آخر تک ضرور شائع ہو جائیں گی وہ یہ ہیں۔

۱۔ نوائے ظفر خلیل الرحمن اعظمی
۲۔ سنہ ستاون پنڈت سندر لال
۳۔ شرح مومن حامد حسن قادری
۴۔ جدید ہندی شاعری ڈاکٹر مسعود حسین خاں
۵۔ اردو ڈراما (جدید ڈرامے) ڈاکٹر محمد حسن
۶۔ فن تحریر کی تاریخ اسحاق صدیقی
۷۔ الہامات مجنوں گورکھپوری
۸۔ دیپک عبدالحمید خاں
۹۔ نسلیات محشر عابدی
۱۰۔ بین الاقوامی معاہدات اور تاریخ سید محمد ذکی
۱۱۔ مدرا راکشس ترجمہ منور لکھنوی
۱۲۔ شکنتلا ترجمہ قدسیہ زیدی
۱۳۔ نئے شعرا کا انتخابی سلسلہ مرتبہ خلیل الرحمن اعظمی و خبیب الرحمن
۱۴۔ دیوان نجیم دہلوی مرتبہ مختار الدین احمد
۱۵۔ ذکر میر (فارسی) مسعود حسن رضوی
۱۶۔ " ترجمہ خورشید الاسلام
۱۷۔ سرسید کے غیر مطبوعہ خطوط مختار الدین احمد آرزو
۱۸۔ عمدۃ المنتخبہ مالک رام

ان کے علاوہ ہمارے پاس اچھے مسودات اشاعت کے لئے برابر آ رہے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ان میں سے چند امسال ضرور شائع کر سکیں۔ (باقی)

ایک غلط فہمی بعض اخبارات میں اردو کمیشن کے متعلق ایک قرارداد شائع ہوئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ کانفرنس میں منظور ہوئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ قرارداد کھلے اجلاس میں پیش ہونے والی تھی مگر تجویز کمیٹی نے محسوس کیا کہ اسے ابھی التوا ملتوی کر دیا جائے کیونکہ اس پر عمل درآمد میں جو اخراجات ہوں گے ان کا سردست انتظام دشوار ہے۔ یہ قرارداد آئندہ کانفرنس کے لئے ملتوی کر دی گئی تھی۔ اس لئے "ہماری زبان" میں شائع نہیں ہوئی۔

اُردو کانفرنس

ضروری اصلاح

دفتر کی غلطی کی وجہ سے اردو کانفرنس کی پہلی قرارداد اسی شکل میں شائع ہو گئی جس میں پہلے اجلاس میں پیش ہوئی تھی، حالانکہ تجویز کمیٹی کے غور و خوض کے بعد ترمیم شدہ شکل میں یہ قرارداد مولانا حفظ الرحمن نے دوسرے اجلاس میں پیش کی تھی اور متفقہ طور پر منظور ہوئی تھی۔ اس غلطی کے لئے "ادارہ ہماری زبان" معذرت خواہ ہے۔ ترمیم شدہ قرارداد حسب ذیل ہے۔

قرارداد

"انجمن ترقی اردو ہند کی یہ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ اردو کے بولنے، سمجھنے اور لکھنے پڑھنے والے ہندوستان کی سب ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر عقیدہ و خیال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کل ہند لسانی اقلیت کی بڑی تعداد دہلی، اترپردیش اور بہار میں آباد ہے اور دوسری ریاستوں میں بھی اس کے بولنے والے قابل لحاظ تعداد میں موجود ہیں۔

یہ کانفرنس ان مطالبات کی طرف توجہ دلاتی ہے جو اترپردیش اور بہار میں اردو بولنے والوں کے نمائندہ وفد لاکھوں دستخطوں کے ساتھ صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں یعنی ان ریاستوں میں اردو کو علاقائی زبان کی حیثیت دی جائے اور اسے معینہ سرکاری اور تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اسی قسم کا مطالبہ دہلی کی طرف سے بھی پیش کیا جا چکا ہے۔

یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت دہلی، اترپردیش اور بہار میں اردو کو بھی ایک سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے یعنی اسے معینہ سرکاری اور تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

نیز یہ کانفرنس ضروری سمجھتی ہے کہ پنجاب، آندھرا پردیش، بمبئی، مدھیہ پردیش، مدراس، میسور اور کلکتہ میں بھی سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو کے لئے سہولتیں فراہم کی جائیں۔

یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے انجمن کا ایک نمائندہ وفد صدر جمہوریہ سے دوبارہ ملے اور اپنے مطالبات ان کے سامنے رکھے۔

یہ کانفرنس مندرجہ بالا ریاستوں کی ریاستی شاخوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنی ریاست کی حکومت کو ان مطالبات کی طرف پرزور طریقے سے متوجہ کریں۔

اردو دنیا

سری پری پورنانند ورما کا پیغام

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ علی گڑھ میں انجمن ترقی اردو کی جانب سے ۳، ۴، ۵ جولائی ۵۰ء کو ایک اردو کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔

چونکہ یہ کانفرنس اردو کی ترقی کے لئے منعقد ہو رہی ہے لہٰذا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اردو کے ایک ادنیٰ ہی خواہ کی حیثیت سے اس موقع پر اپنا پیغام آپ تک پہنچا دوں میں اول تو اردو کے تمام محبان و ہمدردان سے اپیل کروں گا کہ اس محبوب زبان کی ترقی و ترویج کے لئے تا حد کوششیں جاری رکھیں اور یہی نہیں کہ اس کانفرنس میں محض ریزولیوشن پاس کریں اور بس اور یہ کانفرنس محض نشستند و گفتند و برخاستند تک نہ رہ جائے بلکہ ایک باقاعدہ تنظیم کے ساتھ ایک ایسا لائحہ عمل اس موقع پر مرتب کریں جس سے اردو کی ترقی و ترویج خاطر خواہ طور پر ہو سکے یہ بات واضح رہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں یہ ایک ایسی جز لطرح زبان ہے جو تمام ہندوستانیوں کی ہے اور جس کی خوبیوں پر ہم سب کو بلا لحاظ مذہب و ملت فخر ہے سچ تو یہ ہے کہ اردو میں وہ سرمایہ ہے کہ بغیر اسے حاصل کئے ہم اپنی قومی زبان ہندی کو بھی نہ اچھی طرح سیکھ سکتے ہیں اور نہ اسے بام عروج پر پہنچا سکتے ہیں ایسا میرا خیال ہے۔

دوم یہ کہ ہمیں ایسے تمام طریقوں سے بچنا ضروری ہے جس میں اردو اور ہندی کے درمیان کوئی تصادم نظر آئے مجھے بعض وقت یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بعض حضرات زبان کے اس مسئلہ کو تعصب کا رنگ دے دیتے ہیں۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ انجمن ایک سرکاری ادارہ ہے جو در پردہ اردو کی بنیادیں کمزور کرنا چاہتا ہے۔ مجھے ایسی باتوں پر سخت حیرت ہوتی ہے۔ اگر ہماری حکومت اردو کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے تو پھر ہر سال ہزاروں روپے انجمن ترقی اردو کو بطور امداد کیوں دیتی ہے۔ مجھے تو اس میں حکومت کی نیک نیتی معلوم ہوتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ حکومت اردو کو ترقی دینا چاہتی ہے میں تو یہی چاہوں گا کہ حکومت نے جو کچھ اب تک اردو کے لئے کیا ہے ہم اسے اپنے ذہن میں رکھیں اور حکومت سے مزید امداد اور مزید سہولتوں کے خواہش مند ہیں اور اس کے لئے کوشش کریں۔

اس کانفرنس میں جو نمائندے شرکت کو تشریف لائے ہیں ان سے استدعا کروں گا کہ خادمان اردو کی حیثیت سے وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اردو کے لئے ہمیں بہت کچھ کرنا ہے اور اپنی حکومت سے بھی بہت مدد اور بہت کام لینا ہے اردو کی موجودہ صورت حال سے اگر محبان اردو افسردہ خاطر اور فکر مند ہیں تو یہ بات اپنی جگہ صحیح اور فطری ہے لیکن ہمیں اردو کے لئے تا حد کوشش اس ڈھنگ سے کرنا ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں اس سلسلے میں ضروری ہے کہ ہمارے اقدامات معقول اور قانون کے دائرے میں ہوں اور ایسے دانش مندانہ کہ اردو کو نہ صرف صوبے میں بلکہ سارے ہندوستان میں اس کا جائز مقام حاصل ہو جائے۔ یہی میری اور تمام محبان اردو کی دلی خواہش ہے۔ اردو کانفرنس کے لئے ۵۰۰ روپیہ کی حقیر رقم ارسال خدمت ہے۔

خادم اردو

پری پورنانند ... انجمن ترقی اردو شاخ کانپور ۲۰ جولائی ۵۰ء

غزل

زبانِ فطرت سے ان دنوں میں نئے نئے راز سن رہا ہوں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے خود اپنی آواز سن رہا ہوں

خبر نہیں اس کے اندھیرے میں کون خنجر چلا رہا ہے
کراہتی، ڈوبتی، سسکتی دلوں کی آواز سن رہا ہوں

ملے تو کوئی ملا نہ ایسا جو مرنے والوں کو زندہ کر دے
میں آج بھی بزم زاہداں میں حدیث اعجاز سن رہا ہوں

سنا ہے اک لشکر عنادل مٹانے آیا ہے رسم زنداں
قفس کے نزدیک کچھ دنوں سے میں شور پرواز سن رہا ہوں

ملے گا نغمہ کوئی تو ایسا کہ ہو گی جس پر حیات رقصاں
شکیلؔ میں دل کی انجمن میں صدائے ہر ساز سن رہا ہوں

شکیل بدایونی

ڈاکٹر ذاکر حسین

انجمن ترقی اردو کے سابق صدر اور اردو کے ممتاز ادیب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے جولائی کے پہلے ہفتے میں ریاست بہار کی گورنری کا چارج لیا۔

ڈاکٹر صاحب کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ موصوف کے لئے کوئی عہدہ بھی ان کے اوصاف حمیدہ اور خدمات و قابلیت کے اعتبار سے بڑا نہیں ہے۔ پھر بھی ہم موصوف کو اس منصب جلیلہ پر فائز ہونے پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ حکومت ہند بھی مبارکباد کی مستحق ہے کہ ایسا صاحب نظر، دردمند، اور ممتاز قومی رہنما بہار کی حکومت کا نگران ہے۔

مسعود اختر جمال کو وظیفہ

حکومت ہند کو جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند نے مسعود اختر جمال کے وظیفے کے لئے توجہ دلائی تھی اور دوسرے اصحاب نے بھی لکھا تھا خوشی کی بات ہے کہ حکومت نے نہایت عاجلانہ قدم اٹھایا اور مسعود اختر جمال صاحب کا ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا

مسعود اختر جمال صاحب علاج کے لئے شفا خانے میں داخل ہو گئے تھے۔ مرض کی تشخیص ہو گئی ہے وہ اب اسپتال سے واپس آگئے ہیں اور ان کو علاج سے خاطر خواہ فائدہ ہو رہا ہے

کبیر داس کا مقبرہ

کبیر کا جو خوبصورت مقبرہ تیار ہوا ہے اس میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ اس مشہور شاعر کے مقصد حیات کا اظہار ہو ــــــ کبیر اپنی شاعری اور تعلیم کے ذریعے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک مشترک پلیٹ فارم پر لانا چاہتے تھے۔ انھوں نے زندگی بھر اس کا پرچار کیا۔ اسی لئے ان کے مقبرہ کے ایک سرے پر مسجد نما گنبد اور دوسرے پر مندر نما کلس بنایا گیا ہے۔ کہ کبیر کے پیغام کی یاد ہمیشہ تازہ رہے۔

اردو ٹرسٹ

"نگار" کراچی کی اطلاع ہے کہ اردو کی قدیم اور کلاسیکل کتابوں کے سستے اڈیشن شائع کرنے کے لئے بیس ہزار روپیہ کا ایک ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے جس کے صدر مسٹر ممتاز حسین اور سکریٹری مسٹر عزیز احمد میاں۔ ممبروں میں شاہد احمد صاحب دہلوی، تابش صدیقی صاحب وغیرہ ہیں۔

انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر کا ایک ہنگامی جلسہ

بتاریخ ۴۔ جولائی ۱۹۵۷ء زیر صدارت جناب سید نظر ترابی انعقاد پذیر ہوا۔ جلسہ میں مجید لاہوری، آغا محمد طاہر کی سانحہ مرگ پر اظہار تاسف کیا گیا۔

ناندیڑ میں مشاعرہ

۲۹۔ جون کی شب میں ۹½ بجے ناندیڑ کلب کے زیر اہتمام ایک دوسرا عظیم الشان مشاعرہ زیر صدارت مسٹر مانک پرشاد ڈپٹی کلکٹر ناندیڑ ترتیب دیا گیا۔

مشاعرے کا افتتاح کرتے ہوئے مسٹر سی، آر داس نے کہا کہ یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ ابھی تھوڑے دن قبل ایک آل انڈیا مشاعرہ ترتیب دیا گیا تھا جس کے بعد سے یہاں ایک بیداری کی لہر پیدا ہو گئی ہے اور عوام میں اردو کے متعلق سے جو محبت ہے اس کا اندازہ ان مشاعروں کے ہزارہا شرکت کرنے والے سامعین کی تعداد اور دلچسپی سے لگایا جاسکتا ہے۔ مشاعرے میں ان شعراء کو زیادہ پسند کیا گیا۔ سکندر علی وجد۔ انور معظم، ساغر اقبال، بشر نواز، یوسف ناظم سید خمیدی اور برق عثمانیہ۔

بزم مشاعرہ تقریباً ایک بجے شب ساغر اقبال معتمد مشاعرہ کے شکریہ پر ختم ہوئی۔

"میسور میں اردو صحافت کا ابتدائی دور"

مکرمی تسلیم (یکم جولائی ۱۹۵۷ء کے "ہماری زبان" میں مولوی عبدالغفار شکیل صاحب میسوری نے اپنے مضمون "میسور میں اردو صحافت کا ابتدائی دور" میں لکھا ہے کہ "... علیم الحلیم شرر نے لکھنؤ سے دلگداز جاری کیا جس کے جواب میں بنگلور سے قادر شہریار صابر نے "دلسوز" نکالا۔ صاحب موصوف نے "دلسوز" کا سن اجرا ۱۸۸۸ء لکھا ہے۔ غالباً آپ کو بھی اس بات کا علم ہوگا کہ مولانا شرر نے "دلگداز" جنوری ۱۸۸۷ء میں لکھنؤ سے جاری کیا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ۱۸۸۸ء میں جاری ہونے والے جریدے کا جواب ۱۸۸۷ء میں نکلنا شروع ہو جائے

مہربانی فرما کر میرے اس اعتراض کو ہماری زبان میں شائع فرما کر شکیل صاحب کو اس کا موقع دیجئے کہ اپنی اس غلطی کی اصلاح کریں۔

خاکسار

محمد بشیر الحق دسنوی عظیم آبادی

مشاعرہ اردو کانفرنس

اردو کانفرنس منعقدہ ۳۰-۳۱ جولائی ۱۹۵۷ء کے پروگرام کے مطابق ۳۰ جولائی ۵۷ء کو یونین ہال مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مشاعرہ ٹھیک ½۹ بجے شب بہ صدارت پنڈت آنند نرائن ملا شروع ہوا۔ مشاعروں کے مروجہ طریق عمل کے خلاف مشاعرہ کا افتتاح صدر صاحب کے کلام سے ہوا پھر ترتیب وار حسب ذیل شعرائے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ یونین ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔

۱- پنڈت آنند نرائن ملا (صدر) ۲- جناب پریم شنکر سریواستو
۳- شہاب جعفری صاحب ۴- پروفیسر آر۔ڈی۔ جیا
۵- قمر رئیس صاحب ۶- منور لکھنوی صاحب
۷- ڈاکٹر نسیب الرحمن ۸- افتخار علی صاحب شمیم
۹- خلیل الرحمن صاحب اعظمی ۱۰- ساغر مہدی صاحب
۱۱- باقر مہدی صاحب ۱۲- گلزار دہلوی صاحب
۱۳- مخدوم محی الدین صاحب ۱۴- مغیث الدین فریدی صاحب
۱۵- حسن نعیم صاحب ۱۶- پنڈت ہری چند اختر
۱۷- احترام الدین صاحب شاغل ۱۸- انور صابری صاحب
۱۹- پروفیسر احتشام حسین صاحب ۲۰- اختر اورینوی صاحب
۲۱- ڈاکٹر مسعود حسین خاں ۲۲- میکش اکبرآبادی صاحب
۲۳- روشن صدیقی صاحب ۲۴- خورشید الاسلام صاحب
۲۵- پروفیسر آل احمد سرور صاحب ۲۶ جناب صدر

جناب صدر کے کلام کے بعد مشاعرے کا پہلا دور ختم ہوا اور پھر دوسرے دور میں بعض حضرات نے دوبارہ اپنا کلام سنایا۔ اس کے بعد پروفیسر آل احمد سرور صاحب نے مشاعرے میں تمام شرکت کرنے والے شعرا و سامعین و جناب صدر کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ مشاعرہ کی کامیابی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہوتا ہے کہ سامعین یہ چاہتے ہیں کہ مشاعرہ کبھی ختم نہ ہوتا تو بہتر ہوتا۔ چنانچہ اس مشاعرے میں اس وقت ہر دل میں یہی احساس پایا جاتا ہے ۱۲:۳۰ بجے رات کو یہ پر لطف صحبت ختم ہوئی۔

ساغر مہدی

جنوبی ہند میں اردو کانفرنس

"سیاست" دکن کی اطلاع ہے کہ ترچناپلی میں ۵، ۱۰ اگست کو کل جنوبی ہند اردو کانفرنس ہوگی۔ ڈاکٹر سید لطیف چیرمین پبلک سروس کمیشن مدراس اس کانفرنس کی صدارت کریں گے۔

سر آغا خاں کا انتقال

ہزہائی نس آغا خاں سوم ۸۰ سال کی عمر میں جنیوا میں انتقال کرگئے۔ وہ اسمٰعیلیہ خوجوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ انھوں نے مسلمانان ہند کی تعلیمی کوششوں کی عرصے تک رہنمائی کی۔ علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کے لئے سارے ملک کا دورہ کیا اور ایک بڑی رقم جمع کی مشرق و مغرب میں وہ ایک مشہور، ممتاز اور باا ثر شخصیت رکھتے تھے اور سماجی خیر کاموں میں برابر حصہ لیتے رہتے تھے۔

رائے پور میں نارمل اسکول

خبر ہے کہ حکومت مدھیہ پردیش ایک اردو نارمل اسکول رائے پور میں قائم کر رہی ہے۔ انجمن ترقی اردو برہان پور عرصے سے مطالبہ کر رہی تھی۔ کہ برہان پور ایسی اہم جگہ پر اردو نارمل اسکول کا قائم ہونا ضروری ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ ضلع نماڑ کے دونوں صوبائی وزراء کی جانب سے اس مطالبے کے پورا ہونے کا یقین دلایا جا چکا تھا۔ اس پر عمل درآمد نہ ہونا تعجب خیز ہے۔

اردو کے ساتھ انصاف

عثمان آباد کے ایک وفد نے وزیر تعلیم بمبئی مسٹر دیسائی سے ملاقات کی اور اردو سے متعلق چند شکایتیں نقل کر بیان کیں۔

وفد نے کہا کہ مہتمم صاحب تعلیمات اردو کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ وہ اردو داں معلموں اور معلمات کا تبادلہ ایسی جگہوں پر کر دیتے ہیں۔ جہاں اردو پڑھنے والے بچے نہیں ہوتے۔ اور جہاں اردو پڑھنے والے موجود ہیں وہاں وہ اپنی اس حکمت عملی سے اردو داں استادوں کا مصنوعی کال پیدا کرتے ہیں۔ وزیر موصوف نے شکایتوں کو پوری توجہ سے سنا اور ضروری چھان بین کے لئے احکام جاری کر دئے انھوں نے ارکان وفد کو اطمینان دلایا کہ اردو کے ساتھ ناانصافی روا نہ رکھی جائے گی۔

بقیہ: خطبہ صدارت اردو کانفرنس

وہی اردو کا بھی ہے کیونکہ ہندی اور اردو ایک دوسرے سے قریب ہیں اور ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہیں اور دونوں میں ویسے بھی سگی بہنوں کا سا رشتہ ہے۔ مگر اس بنیادی یگانگت کے باوجود اردو اور ہندی میں فرق بھی ہے۔ دونوں کے ادب کا ارتقا علیحدہ علیحدہ ہوا ہے۔ اردو کے محاورے، اس کا عروض، اس کے الفاظ کا سرمایہ، اس کا بین الاقوامی میلان۔ اس کا رسم خط اسے ہندی سے علیحدہ اور ممتاز کرتے ہیں۔ دونوں کو اور قریب لانے کے لئے کسی جبر سے کام لینا بہت بڑی غلطی ہوگی جیسے جیسے عوام کا اثر بڑھے گا، چلن کو اور اہمیت حاصل ہوگی اور اردو اور ہندی دونوں کا مزاج بہت کچھ بدلے گا۔ مگر تاریخ اور وقت نے انھیں جس طرح علیحدہ علیحدہ ترقی کرنے کی اجازت دی ہے اس کے پیش نظر اور اردو والوں کے جذبات، خواہشات امنگوں اور آرزوؤں کا احترام کرتے ہوئے ہر منصف مزاج اور مہذب سماج کو اردو کی مستقل اور آزاد حیثیت کو تسلیم کرنا چاہئے۔ اس زبان کا علاقہ کسی ایک صوبے کے حدود اربعہ میں محدود نہیں ہے۔ اس لئے اسے علاقائی زبان نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ایک کل ہند زبان ہے اور اس حیثیت سے ان صوبوں میں جہاں اس کی قابل لحاظ آبادی ہے اس کا تحفظ ہونا چاہئے۔ دفعہ ۳۴۷ میں بھی سرکاری زبان کا ذکر ہے، علاقائی زبان کا نہیں۔ سرکاری زبان کا مطالبہ اپنی جگہ بالکل جائز ہے اور اس طرح اردو کو کئی ریاستوں میں سرکاری حیثیت دی جاسکتی ہے۔ میری رائے میں ہمیں صدر کے پاس دوبارہ ایک نمائندہ وفد لے کر جانا چاہئے اور ان تمام ریاستوں میں جہاں اردو کی قابل لحاظ آبادی ہے اسے سرکاری زبان تسلیم کرانے پر زور دینا چاہئے۔

اس کے علاوہ میری رائے میں یہ بھی مناسب ہوگا کہ اگلے دو مہینے کے اندر سارے ہندوستان میں ایک یوم اردو منایا جائے اور ایک متفقہ تجویز منظور کرکے صدر کے پاس بھیجی جائے۔ ہمارا وفد اگر اس کے بعد صدر سے ملے تو اس کا زیادہ اثر ہوگا۔

صدر سے ملنے کے بعد دہلی میں ایک بڑی کانفرنس دہلی جیسے مرکزی مقام پر بلانی چاہئے تاکہ ہم عوام کو اپنی اس کوشش کے نتیجے سے آگاہ کر سکیں اور کامیابی یا ناکامی کی صورت میں آئندہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کرسکیں۔ اس جلسے میں ہمیں اردو کے تمام اداروں، ادیبوں، شاعروں، صحافیوں کارکنوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو بلانا چاہئے تاکہ یہ واقعی ایک نمائندہ اجتماع ہو۔

اس کے ساتھ ہمیں اردو انگریزی اور ہندی میں اردو کا کیس تیار کرکے بڑی تعداد میں سارے ملک میں تقسیم کرنا چاہئے تاکہ رائے عامہ اس مسئلے پر بیدار ہوسکے اور دوسری زبانوں کے بولنے والے ہمارے مطالبات کی اصلیت اور اہمیت سے واقف ہوسکیں۔

اب میں اردو دوستوں سے ایک اور ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ ہم اردو والے بہت قدامت پرست ہیں۔ ذرا سی تبدیلی یا تغیر کو گوارا نہیں کرسکتے۔ ہمیں زبان کا ایک خاص روپ عزیز ہے۔ ہم حسن کے ایک مانوس جلوے کے پجاری ہیں ہزار شیوہ حسن کو نظر انداز کرجاتے ہیں۔ ولی کی زبان اور میر و سودا کی زبان میں کتنا فرق ہے۔ میر و ناسخ کی زبان ایک دوسرے سے کتنی مختلف ہے۔ غالب اور مومن کے دور کی زبان میں اور سرسید، سرشار، حالی، شبلی اور نذیر احمد کی زبان میں کتنی تبدیلی ہوگئی ہے۔ آج اقبال اور پریم چند کی زبان ان بزرگوں کی زبان کے مقابلے میں کتنی بدلی ہوئی ہے۔ انگریز جو اسپنسر، شیکسپیر کو کتنا عزیز رکھتے ہیں، ان کی زبان بجنسہ استعمال نہیں کرتے۔ ہندی لفظ کو فارسی کی اضافت کے ساتھ استعمال کرنے پر لوگ اعتراض کرتے ہیں مگر فوق البھڑک بولا بھی جاتا ہے اور لکھا بھی۔ ان عربی فارسی الفاظ کو جو صدیوں سے اردو میں رائج ہوگئے ہیں، اب بھی لوگ فارسی اور عربی کی طرح لکھنا چاہتے ہیں۔ موسمٰ کو موسم، عجز کو عجز، خود کو خود، نقل کو نقل، برکت کو برکت کیوں کہا جائے۔ انشاء نے دریائے لطافت

میں ڈیڑھ سو سال پہلے جو بات کہی تھی وہ آج بھی مسلّم ہے۔ عربی اور فارسی کی غلامی نے اردو کی آزاد اور خود مختار حیثیت کو مجروح کیا ہے۔ عربی اور فارسی ادب کے اردو ادب پر جو احسانات ہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا، مگر اردو زبان کو ایک جدید ہندوستانی زبان کی حیثیت سے ہی زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ ہمیں روایات کا احساس ضرور ہونا چاہئے۔ مگر روایت پرستی ہماری ترقی کے راستے میں ایک روڑا بنی ہوئی ہے اسے دور ہی کرنا مناسب ہوگا۔

اگر ہم اردو کو ایک کل ہند زبان مانتے ہیں تو اس کے لئے ایک معیار کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ہمیں اس کی مختلف علاقائی خصوصیات کو گوارا کرنا پڑے گا۔ پنجاب کی اردو، بہار یا دکن کی اردو سے کچھ مختلف ضرور ہوگی۔ اس میں وہاں کی مقامی زبانوں کا اثر ضرور ہوگا۔ اس اثر کا احساس ابھی تک عام نہیں ہے۔ نثر میں تو اس کی جھلک مل جاتی ہے۔ مگر ہماری شاعری کی زبان ابھی تک دہلی اور لکھنؤ کی پابند ہے۔ اس روش کو یکسر ترک کرنا تو غلط ہوگا کیونکہ پھر کوئی معیار نہ رہے گا۔ مگر اس میں خاصی وسعت اور فراخ دلی برتنے کی ضرورت ہے۔ یوں بھی ہماری شاعری کی زبان بڑی لطیف اور نفیس اور بڑی نازک اور سبک ہے۔ اس میں جدید ذہن کی پوری طرح عکاسی نہیں ہوتی آنچ کا کرب اور سوز و گداز کچھ چھن کر اور دھیما ہو کر آتا ہے۔ اس معاملے میں ذہن کے دریچے کو کشادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کھیتوں اور کارخانوں کی کچھ گرد اور ہمارے صنعتی میلان کا کچھ عکس اس میں آجائے تو اس کی توانائی اور بڑھ جائے گی اور یہ عوام کے دل سے اور قریب ہو جائے گی۔

آخر میں صرف یہ کہنا ہے کہ انجمن ترقی اردو اپنے کو اردو کا ٹھیکے دار نہیں سمجھتی اردو کے جو ادارے اس وقت ملک میں موجود ہیں، ہم سب کا تعاون چاہتے ہیں۔ اردو کا کام اتنا بڑا اور پھیلا ہوا ہے کہ اس کے لئے بہت سے کارکنوں اور خادموں کی ضرورت ہے۔ ان میں اگر کوئی اختلاف ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ مگر ہمیں ایک دوسرے کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔ انجمن ایک مشترک پلیٹ فارم ہے۔ اس کے ذریعے سے وہ لوگ بھی اردو کی خدمت کر سکتے ہیں جن کے سیاسی خیالات یکساں نہیں ہیں۔ انجمن کی پالیسی ایک سوچی سمجھی ہوئی پالیسی ہے۔ ممکن ہے یہ صحیح نہ ہو۔ اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا مگر ایسا نہیں ہے کہ چونکہ انجمن کو حکومت سے مالی امداد ملتی ہے اس لئے وہ حکومت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی اور ہمیشہ نرم روی اور آہستہ خرامی کی تلقین کرتی ہے۔ حکومت کی امداد ہمارا جمہوری حق ہے ہم اسے ناکافی سمجھتے ہیں اور اپنے ادبی کام کو بڑھانے کے لئے اس سے زیادہ امداد کا مطالبہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن انجمن کسی ایک سیاسی مسلک یا ہنگامی نظریے کی پابند نہیں ہو سکتی۔ اس کے پیچھے ۵۴ سال کی ایک شاندار تاریخ ہے اور یہ کوشاں ہے کہ اپنی کارکردگی اور افادیت کو بڑھائے، اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرے، اور اپنی مقبولیت کو عام کرے۔ ہندوستان میں اردو کی خدمت اور اردو کے ذریعے سے ہندوستان کی خدمت، اس کا مسلک ہے اور اس مقدس مشن میں شرکت کی، میں آپ سب حضرات کو دعوت دیتا ہوں۔ اس مشن کی خاطر ہمیں حوصلے اور ہمت سے کام لینا ہے دشواریوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ ناواقفیت اور تعصب کو دور کرنا ہے بھڑکتے ہوئے شعلے کے بجائے سلگتی ہوئی آگ کا مزاج پیدا کرنا ہے۔ ایک دوسرے پر طنز و تعریض میں اپنی قوت کو ضائع نہیں کرنا ہے، بلکہ متفقہ کوشش اور متحدہ جد و جہد سے اردو کو اس کے اصلی مقام پر فائز کرنا ہے۔

لغت اور استعمال عام

رشید حسن خاں

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

۱۴ عربی کے بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کی حرکت اردو اور عربی میں ایک ہے۔ البتہ ان کے تلفظ میں فرق ہے۔ جیسے محشر، محمود، احمد وغیرہ۔ یہ عربی میں بہ فتح اول ہیں۔ اردو میں بھی بہ فتح حرف اول مستعمل ہیں لیکن فتح کا تلفظ وہ نہیں ہوتا جو اہل عرب کا خاصہ ہے بلکہ ایسے الفاظ کے تلفظ میں ایک قسم کی امالے والی کیفیت پائی جاتی ہے۔ بہت سے حضرات کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایسے الفاظ کو اسی قاریانہ لہجے میں ادا کرتے ہیں۔ محض اس لئے کہ اس طرح لہجے میں انفرادیت پیدا ہو جائے۔ یہ بہت غلط طریقہ ہے۔ مثلاً احمد بروزن افعل ہے۔ لیکن اردو میں الف کے فتحہ کی آواز کو ترچھا کرکے زیر کے وزن پر بولتے ہیں۔ یا محل کے حا پر زبر ہے۔ لیکن ہمارے تلفظ میں زبر کی آواز زیر کی آواز سے مشابہ ہو کر نکلتی ہے۔ ان الفاظ کا یہ اردو والا تلفظ ہی درست ہے جو لوگ قاریانہ انداز سے عربی والا تلفظ ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ نہایت غلط کرتے ہیں اور اپنی جہالت اور کم نظری کا ثبوت دیتے ہیں۔

اسی قبیل سے ہندی کے کچھ افعال ہیں مثلاً بہل گیا، بہک گیا، دہک گیا وغیرہ کہ ان میں ہائے ہوز مفتوح ہے۔ لیکن فتح کی آواز کسرہ سے قریب ہو کر نکلتی ہے۔ قافیہ میں ضرور یہ نکل، جھجک، وغیرہ کے ساتھ آتے ہیں۔ لیکن اس کو ضرورت قافیہ (جس کی مجبوری سے بہت سی باتیں جائز ہو جاتی ہیں) سمجھ کر تلفظ میں وہی اردو والی کیفیت رکھنا چاہئے۔

۱۵ اساتذہ نے عربی و فارسی الفاظ کے ساتھ دوسری زبانوں کے الفاظ کی (ہندی لفظ کی خاص طور پر) ترکیب جائز نہیں رکھی ہے۔ مثلاً اچار، لاچہ، سبجی دار، وغیرہ کو اصولاً غلط سمجھا گیا اور سمت کوشی، محرم آب رواں، پسر برہمن، وغیرہ کو صحیح۔ اصول یہ بتایا گیا کہ جو لفظ غیر ہو یا جس کا بدل اردو میں موجود نہ ہو، ایسے لفظ کے ساتھ اضافت جائز ہے لیکن جب پوچھا جاتا ہے کہ یہ فرگی، دیوانہ پن، ڈاک خانہ، پان دان، پیک دان وغیرہ کا کیا بنے گا تو کہا جاتا ہے کہ ہرچند کہ یہ غلط ہیں لیکن اب ان کو مجبوراً صحیح مان لیا جائے کیونکہ یہ اس حد تک استعمال عام میں آچکے ہیں کہ ان کو چھوڑ دینا ممکن نہیں ہے ـــــ حالانکہ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اگر استقصا کیا جائے تو ایسے ہندی مرکبات جو بالعموم رائج ہیں کئی سو ہوں گے۔ اس طرح استثنا کیا ہوا شعر یار کی تذلیل ہو گئی۔ دراصل اس قاعدے پر اصرار کرنا اور ہندی مرکبات کو زبان سے نکالنا یا ان کو صحیح نہ سمجھنا یہ سب باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ایسے حضرات علم اللسان سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے۔ یا پھر وہ کسی خاص محلہ یا مخصوص محلہ کی زبان ہی کو زبان سمجھتے ہیں اور اس کا مہمل ہونا عیاں ہے

اصول یہ ہونا چاہئے کہ ہر وہ لفظ جس کے ساتھ ترکیب گراں دکھ دے یعنی لفظی و صوتی اعتبار سے کوئی ناموس کیفیت نہ پیدا ہو جائے تو اس مرکب کو صحیح مان لینا چاہئے۔ خواہ وہ کسی زبان کا لفظ ہو۔ اگر آپ "درد گھٹنا" لکھیں تو یقیناً مضحکہ خیز بات ہوگی۔ اسی طرح اگر آپ "تسلسل غیر منقطع" لکھیں تو یہ بھی بجائے خود قابل استہزا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ترکیب خواہ فارسی و عربی الفاظ میں ہو یا فارسی و ہندی، یا عربی و ہندی میں یا کسی بھی زبان کے الفاظ ہوں اگر ترکیب میں فصاحت ہے تو وہ ترکیب قطعاً جائز ہے۔ میں نے جناب ذکی شاہ جہاں پوری سے ان کا ایک واقعہ سنا کہ مولانائے موصوف نے ایک بار اپنے استاد امیر مینائی کو ایک غزل برائے اصلاح دی کہ جس میں ایک مصرع تھا:

"ہم نے نظارہ کیا ہے پس چلمن ان کا"

منشی صاحب نے پس چلمن کو قلمزد کر دیا اور مصرع میں اس طرح اصلاح دی: "ہم نے نظارہ کیا ڈال کے چلمن ان کا" اور حاشیہ پر لکھ دیا کہ "پس چلمن" ہندی ترکیب ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو مصرع اپنی پہلی شکل میں زیادہ سلیس تھا۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ خود منشی صاحب مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے۔

تا رنگ آبیاری پارس سے زر بنے
جب تک صدف میں قطرۂ نیساں گہر بنے

(پارس مستند معنی میں خالص ہندی ہے)

بہرحال اب وہ سارے مرکبات جو سلیس و فصیح ہیں اور آج تک منہیات کے تحت مردود قرار دئے گئے قابل قبول ہیں بلکہ ایسے مرکبات کا مسلسل اضافہ زبان کی وسعت کے لئے ضروری ہے۔ (باقی)

تبصرے

از ضیاء احمد بدایونی

کبیر جوگ

جلد سوم حصہ سوم۔ قیمت ۱/۸ روپے
اشاعت کردہ رادھا سوامی ست سنگ
نظام آباد۔ حیدرآباد۔ دکن

ہندو مذہب میں بے شمار فرقے ہیں۔ جن میں ایک رادھا سوامی ست کہلاتا ہے۔ اس مت کے بڑے پرچار کرنے والے ایک صاحب ہوئے ہیں جو دتا دیال مہرشی شیو برت لال جی ورمن کے نام و القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ رادھا سوامی مت دراصل ایک صوفیانہ فرقہ ہے جو دوسرے مذاہب سے رواداری کی تعلیم دیتا ہے اور جس میں ہندو اور اسلامی تصوف کے خیالات گڈمڈ ہیں اس میں وحدت الوجود۔ سلوک۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ ناسوت۔ ملکوت۔ جبروت۔ لاہوت وغیرہ کی نئی نئی اور عجیب عجیب تعبیرات کی گئی ہیں۔

کتاب زیر نظر میں مصنف شیو برت لال جی کبیر صاحب اور جہاں گشت بغدادی کی ملاقات کا حال لکھا ہے اور بتایا ہے کہ جہاں گشت بغداد سے بنارس محض کبیر سے ملنے، اپنے قلبی شکوک رفع کرنے اور روحانی فیض پانے کی غرض سے آیا تھا اور بعد میں مرام واپس گیا۔ کبیر پندرھویں صدی کے مشہور صلح کل صوفی گزرے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک برہمنی کے بطن سے تھے اور انھوں نے ایک مسلمان جولاہے کے گھر پرورش پائی۔ کبیر کے اخلاقی دوہے آج تک بچے بچے کی زبان پر ہیں۔ جہاں گشت بغدادی جہاں تک ہمارا خیال ہے ایک فرضی شخصیت ہے جس نے روحانیت کے بارے میں متعدد سوالات کئے ہیں اور کبیر نے ان کے جوابات دئے ہیں جوابات کے ضمن میں موقع موقع سے فٹ نوٹ میں فارسی شعراء کے اشعار بھی تائیداً درج کر دیئے گئے ہیں۔ غرض کتاب اول سے آخر تک خدا اور شیطان کے ایک ہونے۔ پھر تمام وجود کی نفسانیتوں اور جسمانیتوں کے مجموعے کا نام شیطان۔ اور جملہ وجود کی حقانیتوں اور روحانیتوں کے مجموعے کا نام اللہ قرار دیئے۔ آدم پرستی (پیر پرستی) کو طریقت کا گر ٹھہرانے۔ غرض اسی قسم کے لایعنی تشبیہات سے بھری ہوئی ہے۔ اسلامی تصوف کی تاریخی اساس کے متعلق مصنف کی عجیب تحقیق سننے کے قابل ہے۔ ان کے نزدیک تصوف ہندوؤں سے شروع ہوا۔ اُن سے پارسیوں کو جزدی علم ملا۔ پارسیوں سے یہودیوں کو جزو کا بھی جزدی حصہ نصیب ہوا۔ پھر ہندو اس عقیدے کو مصر اور بدھ لوگ پارس اور عراق وغیرہ لے گئے۔ آخر جب پارسی مسلمان بنائے گئے تو انھوں نے اپنے پرانے عقائد کو اسلامی جامہ پہنا کر پیش کیا۔

ناطقہ سربہ گریباں کہ اسے کیا کہیے

مکتوبات مہرشی

مولفہ: نندو بھائی۔ قیمت ایک روپیہ

یہ کتاب بھی مذکورہ بالا مت کی ترجمان اور دیال بھنڈار بکڈپو گری۔ حیدرآباد دکن کی اشاعت کردہ ہے۔ اس میں مہرشی شیو برت لال جی کے جانشین نندو بھائی نے مہرشی مذکور کے چند خطوط یکجا کر دیے ہیں۔ یہ خطوط ملک کے مختلف ہندو اور مسلم حضرات کے نام ہیں۔ ان میں بھی تصوف۔ روحانیت اور وحدت الوجود کے خیالات اسی انداز میں پیش کئے گئے ہیں جو کبیر جوگ کی خصوصیت ہے۔ جن اصحاب کو ان مسائل سے دلچسپی ہو وہ دیال بھنڈار بکڈپو گری حیدرآباد سے طلب کر سکتے ہیں۔

پرنٹر پبلشر [illegible] نیشنل [illegible] پریس [illegible] میں چھپوا کر دفتر انجمن سے شائع کیا